ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

طارق عزیز
ریسرچ اسکالر پی ایچ ڈی (اردو) اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور۔
پروفیسر ڈاکٹر محمد عباس
صدر شعبۂ اردو اسلامیہ کالج یونی ورسٹی پشاور۔

وجودیت کے مباحث اور مثبت پہلو

Tariq Aziz *
Research Scholar Ph.D. Urdu, Islamia College University, Peshawar.
Professor Dr. Muhammad Abbas
Head of Department ,Islamia College University Peshawar

***Corresponding Author:**

Existentialism Discussions and Positive Aspects

The scientific and industrial development that has taken place in the last two or three centuries has changed this human nature. Two great wars have also ended the value of human blood and man has started thinking about who am I? How will I have a life of peace and contentment and what will be my destination? Existentialism formally begins after the French Revolution. But its influence and influence arises after the two great wars that shattered the wings of humanity. Existentialism is the name of self-discovery. Existentialism gives man an atmosphere of freedom and individuality. The philosophy of existentialism covers many angles, but it shares some basic concepts. Among them, a central principle of existentialism is that personal freedom, individual responsibility, and deliberate choice are necessary for finding oneself and determining the meaning of life. Existentialism is also an optimistic philosophy and theory of action that determines the existential problems of man. It is a philosophy of the individuality of the human being, which is why it is called existentialism in relation to existence.

Key Words: *Existentialism, Optimistic, Individuality, Responsibility, Industrial development, Human, Philosophy.*

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-34

انسان اشرف المخلوقات ہے۔وہ اعلیٰ اقدار اور احساسات کا مالک ہے اور معاشرتی زندگی کا علمبردار ہے۔وہ معاشرے میں مل جل کر رہنے کا متمنی ہے اور اسی میں اس کی بقا ہے، لیکن گذشتہ دو تین صدیوں میں ہونے والی سائنسی اور صنعتی ترقی نے انسان کی اس حیثیت کو تبدیل کر دیا ہے۔اس کے علاوہ دو عظیم جنگوں نے بھی انسان کے خون کی قیمت ختم کر دی اور انسان اس سوچ میں پڑ گیا کہ میں کون ہوں؟ مجھے کس طرح سکون اور اطمینان کی زندگی نصیب ہو گی اور میری منزل کیا ہو گی؟اسے اپنا آپ اس مہمل دنیا(Absurb World) میں بے معنی وجود(Meaningless Existence) کی طرح موت کا انتظار کرتا ہوا محسوس ہونے لگا۔اس انسانی المیے کی نتیجے میں جرمنی اور فرانس میں اُبھرنے والی وجودیت کی تحریک کو بیسویں صدی کی چوتھی اور پانچویں دہائی میں زبردست مقبولیت حاصل ہوئی اور اس نے دنیا کے افکار میں تہلکہ مچادیا۔وجودیت انسانی وجود کا فلسفہ ہے۔یہ تحریک فلسفۂ عقلیت(Rationalism)اور تصوریت(Idialism)کارد عمل ہے۔

وجودیت کی اصطلاح:

> فرہنگ آصفیہ کے مطابق "وجودیت عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ لفظ "وُجود" سے مشتق ہے۔جس کے معنی ہیں:زندگی، ہستی، وجود، ذات۔زندگی، ظہور"۔(1)

جبکہ اردو لغت "تاریخی اصول پر" قومی تاریخ وادبی ڈویژن، حکومت پاکستان(پاکستان کی سب سے بڑی اردو آن لائن لغت کے مطابق وجودیت کا مطلب کچھ اس طرح ہے۔

> "ہستی، حیات، زندگی، موجود ہونا(عدم کا نقیض)،ذات کی موجودگی، ہونے کی حالت، موجود ہونا؛ذات، شخصیت(مجازاً)زندہ شے، جسم، بدن، سراپا، مادّہ، جوہر، کسی شے کی ہستی کی حقیقت یا اصلیت،(تصوف)ذاتِ باری تعالیٰ، حادث یا واقع ہونا، پایا جانا(کوئی کھوئی ہوئی چیز) تلاش کرنا، ڈھونڈنا، بساط؛ حیثیت،،(فلسفہ) کوئی شے جو حقیقتاً موجود ہو یا تصور میں آسکتی ہو، پیدائش، ظہور"۔
>
> "بیسویں صدی میں اختراع کیا گیا کرک پیٹرک اور ژاں پال سارتر سے منسوب یہ فلسفیانہ نظریہ کہ دنیا بے مقصد، لایعنی اور غیر یقینی ہے لیکن انسان اپنے افعال اور اختیار میں کلی طور پر آزاد ہے اور اسے ایک آزاد فرد کی حیثیت سے جینے اور اپنی شخصیت کی تعمیر کا حق ہے۔یہ

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-34
ماخذ تحقیقی مجلہ

نظریہ کہ الوہیت ہر شے کے اندر موجود ہے، ہمہ اوست کا نظریہ، نظریۂ وحدت الوجود نیز یہ عقیدہ کہ ایک سے زیادہ خداؤں کی بیک وقت عبادت کی جائے"۔[۲]

انگریزی میں وجودیت کے لیے "Existentialism" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ لاطینی لفظ "Existere" سے نکلا ہے، جس کے معنی ہیں "موجود ہونا" آکسفورڈ ڈکشنری انگلینڈ میں اس لفظ کو اس طرح پیش کیا گیا ہے:

"Existence is the theory that humans are free and responsible for their own actions in a world "[۳]

ترجمہ: وجود کے نظریے کے مطابق انسان اس دنیا میں آزاد اور ذمہ دار ہیں۔

دوسری طرف علی عباس جلال پوری نے اس کا ترجمہ "موجودیت" کے نام سے کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب "روایات فلسفہ" میں لکھتا ہے:

"Existentialism" کا ترجمہ بعض لوگوں نے "وجودیت" کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ وجود "Being" کا ترجمہ ہے۔ "Existent" کا ترجمہ "موجود" ہے۔ مزید براں وجودیت سے ہمارے جہاں وحدت الوجود یا ہمہ اوست مراد ہے، جو صوفیہ اس نظریے کے قائل ہوتے ہیں انہیں وجودی یا وجودیہ کہا گیا ہے"۔[۴]

شہزاد احمد اور ڈاکٹر وزیر آغا کے نزدیک بھی درست ترجمہ "موجودیت" ہی ہے۔ البتہ افتخار بیگ کے نزدیک "وجودیت" ہی درست ترجمہ ہے اور زبانِ زدِ خاص و عام بھی "وجودیت" ہی ہے۔

وجودیت کہاں سے شروع ہوئی اور یہ کب معاشرے کو متاثر کر سکی؟ اس کی ابتداء کے مطابق مختلف نظریات اور آرا موجود ہیں۔ اگر ہم غور سے ان آرا کو دیکھ لیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ وجودیت کے فلسفے کے ڈانڈے سقراط سے ملتے ہیں۔ سقراط نے کہا تھا کہ اپنے وجود کو درست انسانی طرز حیات پر ڈالنا ہی انسانیت ہے۔ اس کے علاوہ مفکر نظام صدیقی وجودیت کی ابتدا کا تاج سات سو قبل مسیح چینی مفکر لاؤتے کے سر پر رکھتے ہیں۔ وجودی فلسفہ کو تلاشِ حقیقت کے ذاتی اور عملی رجحان کے وسیع تناظر میں مشرقی صوفیاء، بدھ مت اور ہندو مت کے پیروکاروں میں پایا جاتا ہے۔ مارٹن بیوبر (Martin Buber) کی کتاب "پیغمبرانہ عقیدہ " (Prophetic faith) میں عبرانی پیغمبروں کی نصیحتیں اور عیسائیت میں حضرت عیسی کی تعلیمات میں وجودی تعلیم کی وضاحت دیکھی جاسکتی ہے۔ پیغمبروں نے انسان کو ان کے وجود کے تاریخی کردار کا سامنا کرنے کی تعلیم دی۔ گناہ، توبہ، ذمہ داری ایک کلی انسانی

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

وجود کی تلاش، وقت اور تاریخ کی حقیقت یہ سب پیغمبروں کی تعلیمات کے اہم موضوعات ہیں اور وجودی مفکرین کے یہاں بھی ان کی نمایاں اہمیت ہے۔

قدیم مفکرین سنت پال اور سنت آگسٹائن(Saint Augustine) نے بھی اپنے افکار میں وجودی موضوعات پر بحث کی ہے اور ان کی عیسائی روایات میں وجودی عناصر موجود ہیں۔ تاہم قاضی قیصر الاسلام کے نزدیک سب سے پہلے وجودیت کی اصطلاح کو کرکیگارڈ نے متعارف کرایا جو موجودہ وجودیت کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ جبکہ اس لفظ وجودیت کو حقیقی معنی بھی کرکیگارڈ نے دیے۔ فریڈک نٹشے کے ہاں بھی وجودی افکار ملتے ہیں۔ محمد اسرار خان کے مطابق وجودیت کی اصطلاح سب پہلے گبریل مارسل نے ۱۹۴۰ء میں وضع کی۔ جبکہ علی عباس جلال پوری کے نزدیک کرکیگارڈ کے بعض افکار جو مشہور ہوئے، کو کارل جیسپرز نے ایک باقاعدہ ایک کتاب کی صورت میں مرتب کیا جس سے فلسفہ "موجودیت" کی تشکیل عمل میں آئی۔ بعض علمائے وجودیت کے مطابق آج کے دور کی وجودیت کا پیش رو پاسکل تھا۔ باقاعدہ طور پر عالمی اُفق پر وجودیت کی عظمت اور اہمیت اس وقت اُجاگر ہوئی جب ۱۹۶۴ء میں مشہور فرانسیسی وجودی مفکر سارتر نے اس وجہ سے نوبل انعام سے انکار کیا کہ میرا وجود کسی انعام کا سہارا نہیں لیتا، میں جو ہوں وہ ہوں اور نوبل انعام لینے سے میرے نام کے ساتھ "نوبل انعام یافتہ" لکھا جائے گا جس سے میری ذات کی حقیقت کو ابھارنے کا موقع نہیں ملے گا۔ سلطان علی شیدا اس تحریک کے بارے میں کہتے ہیں:

> "وجودیت ایک ایسی فلسفیانہ تحریک ہے جو انیسویں صدی میں ڈنمارک کے فلسفی کرکیگارڈ کے افکار میں ظہور پذیر ہوئی اور بعد ازاں جرمنی اور فرانس میں دیگر فلسفیوں کے افکار و نگارشات میں ایک واضح نظام فلسفہ بن کر ہمارے سامنے آئی"۔ (۵)

جبکہ محمد فرید اپنے ایک تنقیدی مضمون میں وجودیت کے فلسفے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "وجودیت کا فلسفہ سورین کرکیگارڈ نے دیا۔ اس کے نزدیک وجود جوہر پر مقدم ہے۔ اور آدمی اس کے سوا کچھ نہیں جو وہ کو بناتا ہے"۔ (۶)

وجودیت کی باقاعدہ شروعات فرانس کے انقلاب کے بعد ہوتی ہے۔ لیکن اس کا اثر و رسوخ دو عظیم جنگوں کے بعد پیدا ہوتا ہے جس نے انسانیت کے پرخچے اڑا دیے۔ جیسی حالت دو عظیم جنگوں کے بعد پیدا ہوئی بلکل ایسی حالات انقلاب فرانس سے پہلے بھی موجود تھی۔ انقلاب فرانس سے پہلے بھی فرانسیسی عوام کی حالت بیان کرنے کے قابل نہیں ہے۔ ہر طرف ظلم و ستم کا بازار گرم تھا۔ سیاسی انتشار اور بدنظمی عروج پر تھی۔ استحصالی نظام

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-34
ماخذ تحقیقی مجلہ

اور معاشرتی و تہذیبی افراتفری اپنا زور دکھا رہی تھی۔ اہل فرانس پر ان افکار کا بہت گہرا اثر ہوا اور انہوں نے ان اثرات کو قبول کیا۔ اس کے بعد وجودیت کا پودا دو عظیم جنگوں کے بعد پروان چڑ گیا، کیونکہ ماحول اور آب و ہوا اس پودے کی نشونما کے لیے موزوں تھی ۔ اجتماعی موت اور خوف ناکی کے مناظر، محرومی، مایوسی، انتشار، ہلچل، مظلومیت کا احساس، یہ ایسے مسائل پیدا ہوئے جن سے معاشرتی نظام اپاہج ہو گیا۔ ان مسائل نے جنگوں کے بعد پیدا ہونے والے حالات کو بہت شدت کے ساتھ محسوس ہونے دیا۔ ہر کوئی اس تباہی کے نتیجے پر سوچنے تھا۔ ان جنگوں کے دوران عام فرد اتنا متاثر ہوا کہ اس کے ذہن میں تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ ان صورتحال نے ایک وجودی فرد کو جنم دیا۔ اس احساس نے فرد کو اپنی قیمت اور اہمیت سے روشناس کیا۔ ایسی حالت پیدا ہوئی جس میں فرد اپنی داخلی بصیرت اور معنی خیزی سے آشنا ہوا۔ وہ اپنا راستہ خود متعین کرنے لگا۔ اس کے انجام میں فرد کی توجہ اپنی داخلیت کی طرف ہونے لگی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اس فلسفے کے بارے ان خیالات کا اظہار کیا ہے:

> "یہ فلسفہ دراصل ان مروّجہ روایتی فلسفیوں کے خلاف ایک ردعمل تھا جن میں فلسفہ اشیا اور خیالات کا مرکز بن کر صرف مجرد اور بے جان بحثوں میں الجھ کر رہ گیا تھا اور جس کا زندگی، فرد اور اس کے مسائل سے دور کا بھی واسطہ نہ رہا تھا۔ وجودیت نے لوگوں کو محسوس کرادیا کہ داخلی رویہ خارجہ حقیقت کو بدل سکتا ہے"۔(۷)

سائنس کی بے پناہ ترقی نے یورپ میں مشینی اور سائنسی تہذیب کو جنم دیا۔ اس سائنسی تہذیب نے انسان کو سہولیات تو فراہم کی لیکن دوسری طرف انسان کو غیر محفوظ بھی کر دیا۔ انسان اپنے ہاتھوں سے بنائی گئیں مشینوں کا غلام ہو گیا۔ ان حالات میں انسان دوسرے انسان سے دور ہوتا گیا۔ انسانی رشتے اجنبی بن گئے۔ مشینوں کے زیر سایہ بسر ہونے والی زندگی نے بے اطمینانی، خوف، مایوسی، دہشت، لایعنیت، کرب اور تنہائی کے احساس کی فضا عام کر دی۔ ان حالات نے مذہبی تنہائی اور عدم تحفظ کا احساس بھی پیدا کر دیا۔ عقیدے اور مذہب کا زوال پیدا ہوا۔ انسان کی زندگی میں مذہب کی مرکزیت ختم ہو گئی اور سائنسی عقیدے زور پکڑنے لگے۔ انسان اس شک میں پڑ گیا کہ ہمارا خدا ہماری ان مصیبتوں اور تکالیف پر خاموش کیوں ہے۔ ان حالات پر نٹشے کے خیالات نے بھی جلتی پر تیل چھڑکنے کا کام کر دیا جس نے "خدا مر چکا ہے" کا اعلان کر دیا۔ اس نے کہا تھا کہ خدا مظلوموں کی مدد نہیں کر سکتا ۔ مذہب کے متعلق یہ ردعمل صرف ذاتی حد تک نہیں تھا بلکہ اس کے اثرات اجتماعیت پر بھی پڑ گئے۔ اجتماعی نفسیات

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

بھی ان اقدار، رسوم و رواج، روایات اور علامات سے متاثر ہوئی۔ لوگ ایک ایسے منجدھار میں پھنس گئے جس سے نکلنے کی کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا، نتیجتاً ایسی صورتحال نے وجودیت کو جنم دیا۔ ان حالات میں تبدیلی اور انقلاب ناگزیر تھا ان تبدیلیوں کے بارے میں ایک انگریز مصنف "Paul Dukes" اپنی مشہور زمانہ تصنیف " A History of Europe" میں لکھتے ہیں:

"At the end of the seventeenth century, a revolution broke out in Europe. In 1776, the revolution was heard in America And in 1789 there was a change in France, which was not only for France, but for the whole of Europe The beginning proved".(۸)

ترجمہ: سترھویں صدی کے آخر میں یورپ میں انقلاب برپا ہو گیا۔ ۱۷۷۶ء میں امریکہ میں انقلاب کی چاپ سنائی دی اور ۱۷۸۹ء میں فرانس میں تبدیلی وارد ہوئی جو نہ صرف فرانس کے لیے بلکہ پورے یورپ کے لیے نئے دنوں کا آغاز ثابت ہوئی۔

وجودیت خود کی تلاش کا نام ہے۔ وجودیت انسان کو آزادی اور انفرادیت کی فضا عطا کرتی ہے۔ وجودیت کا فلسفہ بہت سے زاویوں پر محیط ہے، لیکن یہ کچھ بنیادی تصورات کا اشتراک کرتا ہے۔ ان میں سے وجودیت کا ایک مرکزی اصول یہ ہے کہ ذاتی آزادی، انفرادی ذمہ داری، اور جان بوجھ کر انتخاب خود کو تلاش کرنے اور زندگی کے معنی کے تعین کے لیے ضروری ہے۔ وجودیت پسند فلسفی انسانی وجود کے معنی، مقصد اور قدر سے متعلق سوالات کو دریافت کرتے ہیں۔ وجودیت پسندانہ فکر میں عام تصورات میں وجودی بحران، خوف اور ایک مضحکہ خیز دنیا کے ساتھ ساتھ صداقت، ہمت اور خوبی شامل ہیں۔ وجودیت فلسفیانہ تحقیقات کی ایک شکل ہے جو انسانی وجود کے مسئلے کو تلاش کرتی ہے۔

وجود جوہر پر مقدم ہے (Existence precedes essence):۔

جدید فلسفے کے بانی ڈیکارٹ کا مقولہ ہے کہ "میں سوچتا ہوں اس لیے میں ہوں" یعنی "جوہر وجود سے پہلے ہے" جبکہ وجودی مفکرین کرکیگارڈ اور سارتر (جو وجودیت کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں) نے اس کے برعکس نظریہ پیش کیا ہے، خاص کر سارتر نے کہا کہ (جو تمام وجودیت پسندوں میں مشترک ہے وہ بنیادی نظریہ ہے کہ) "وجود

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-34

جوہر سے پہلے ہے "یعنی "میں ہوں اس لیے میں سوچتا ہوں " سارتر نے وجود " Existence "اور جوہر " "Essence کے دو نظریات پیش کیے جو زندگی کا خاصہ ہیں۔ کوئی شے اس وقت تک وجود میں نہیں آسکتی جب تک یہ دونوں موجود نہ ہوں۔ انسان اور دیگر مظاہر میں فرق یہ ہے کہ انسان میں "Existence "پہلے آتی ہے بعد میں وہ " Essence "خود حاصل کرتا ہے۔ جس سے اس کی انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ ماں کی گود سے لے کر قبر کی لحد تک "Essence " کے حصول کے لیے کوشاں رہتا ہے اور اپنی شخصیت کی تشکیل اور تعمیر کرتا رہتا ہے۔ جب کہ دیگر مظاہر فطرت میں یہ معاملہ انسان سے مختلف ہے۔ ان میں "Essence "پہلے موجود ہوتی ہے اور "Existence "بعد میں آتی ہے۔ ہم کسی پتھر کو اس وقت تک پتھر نہیں کہہ سکتے جب تک اس میں پتھر کی تمام صفات موجود نہ ہوں۔ میز کو اس وقت تک میز نہیں کہہ سکتے جب تک میز کی صفات موجود نہ ہوں، (جوہر یا Essence سے مراد وہ ضروری صفات ہیں جو اس شے کے وجود کے لیے لازمی ہیں جس کے بغیر اس شے کا تصور نہیں کیا جاسکتا)۔ کرکیگارڈ انسان کی حقیقت "Essence "اور انسان کے وجود "Existence "میں فرق کرتا ہے جس طرح اینٹ ہونا ایک اینٹ کی حقیقت ہے اسی طرح انسان ہونا انسان کی ایک حقیقت ہے لیکن انسان کا وجود وہ قلبی واردات اور کیفیات ہیں، وہ خواہشات، احساسات اور جذبات ہیں، وہ تمنائیں، آرزوئیں اور امیدیں ہیں، جن میں سے انسان کی شخصیت گزرتی ہے۔ انسان کا وجود اس کی داخلیت یا موضوعیت کا نام ہے اس کی معروضی حقیقت کا نام نہیں۔ ہر انسان کا وجود بے مثل اور بے نظیر ہے اور اس کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ آزاد ہے اور اپنے فیصلے خود کرتا ہے اور اپنی راہیں خود چنتا ہے۔ انسان کا ہر فیصلہ اگر غلط ہو تو وہ اسے تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس پر اپنی ذات کی طرف سے بڑی بھاری ذمہ داری اس بات کی عائد ہوتی ہے کہ اس کے فیصلے صحیح ہوں۔ انسان کا جوہر یعنی قیمت اور خاصیت پہلے سے طے شدہ نہیں ہے انسان انتخاب "Choice "کرنے کا ارادہ رکھنے میں آزاد اور خود مختار ہے۔ انسان کا جوہر اس کی آزادی میں تجسس کے طور پر پنہاں ہے۔ سارترے نے اپنی مشہور زمانہ کتاب " شے اور لاشیئت (Being and" nothingness) میں لکھا ہے:

> "That I chose to be myself, not for myself, but what is the definition of being? Whatever attitude I adopt opens the closed windows of freedom in front of me. Man is fundamentally free, he is free to think because

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

of his attitude. Everyone chooses the rules of truth, beauty, and goodness. We create our own styles".(۹)

ترجمہ: کہ میں نے اپنے ہونے کا انتخاب اپنے لئے نہیں بلکہ ہونے کے وصف کیا ہے؟ میں جو رویہ بھی اختیار کرتا ہوں اسی رویہ سے میرے سامنے آزادی کے بند دریچے کھلتے ہیں۔ انسان بنیادی طور پر آزاد ہے وہ اپنے رویہ کی وجہ سے سوچنے کے طور پر آزاد ہے ہر کوئی سچائی، حسن اور اچھائی کے قاعدے منتخب کرتا ہے۔ ہم اپنے انداز واطوار خود بناتے ہیں۔ قاضی جاوید نے سارتر کی کتاب "Existentialism and Humanism" کا اردو ترجمہ "وجودیت اور انسان دوستی" کے نام سے کیا ہے وہ سارتر کے اس نظریہ کے بارے میں یوں رقم طراز ہے:

"وجود کو جوہر پر مقدم قرار دینے سے ہمارا مطلب کیا ہے؟ ہمارا مطلب یہ ہے کہ انسان وجود پہلے رکھتا ہے۔ اپنے آپ کا سامنا کرتا ہے، دینا میں اُبھرتا ہے اس کے بعد اپنی تشکیل کرتا ہے۔ وجودیوں کے نزدیک انسان کی تعریف اس لیے محال ہے کہ ابتدا میں وہ کچھ بھی نہیں ہوتا بعد ازاں وہ وہی کچھ کرتا ہے جو خود کو بناتا ہے۔ انسانی فطرت نام کے کسی شے کا وجود نہیں۔ انسان تو بس ہے۔ وہ محض وہی کچھ نہیں جو خود کو سمجھتا ہے بلکہ وہ کچھ بھی ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ وجود میں آنے کے بعد وہ اپنے متعلق تصور قائم کرتا ہے اور وجود میں چھلانگنے کے بعد ہی ارادہ کرتا ہے"۔(۱۰)

وجودیت کا تعلق انیسویں اور بیسویں صدی کے کئی یورپی فلسفیوں سے ہے جنہوں نے فکر میں اکثر گہرے اختلافات کے باوجود انسانی موضوع پر زور دیا۔ وجودیت سے وابستہ ابتدائی شخصیات میں فلسفی سورین کرکیگارڈ، فریڈرک نطشے اور ناول نگار فیوڈور دوستوفسکی شامل ہیں، جن میں سے سبھی نے عقلیت پر تنقید کی اور خود کو معنی کے مسئلے سے منسلک کیا۔ بیسویں صدی میں، ممتاز وجودیت پسند مفکرین میں جین پال سارتر، البرٹ کاموس، مارٹن ہائیڈیگر، سیمون ڈی بیوویر، کارل جیسپرس، گیبریل مارسل اور پال ٹِلچ شامل تھے۔

وجودیت کے کلیدی موضوعات (داخلی واردتیں):

وجودیت کے موضوعات جنگوں، ظلم و تشدد، ناانصافی، موت کی تشویش اور دنیا کی مصیبتوں سے تشکیل پاتے ہیں اس لیے فرد میں جذبات و احساسات کا ایک سلسلہ موجود ہوتا ہے جن سے کیفیات جنم لیتی ہیں اور ان

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

کیفیات کا تعلق فرد کے موضوعیت یعنی داخل سے ہے۔وجودی فلاسفہ نے ان موضوعات کو داخلی واردتوں کا نام دیا ہے۔وجودی موضوعات یہ ہیں۔

آزادی(Freedom) تشویش/دہشت/کرب (Terror/Anguish) تصور بیگانگی و مغائرت/اجنبیت (Alienation) لاشیئت،عدمیت(Nothingness) بوریت(Boredom) گھن/کراہت (Disgust/Grunt) مایوسی وناامیدی (Despair) خوشی (Happiness) بے چارگی(Disconsolation) جرم(Guilt) لغویت، بے معنویت (absurdity) تصورِموت (Concept of Death) غیر معقولیت/بیہودہ پن(Irrationality) ہجوم(Crowds)

وجودیت کے تاریک پہلو:۔

وجودی افکار کے کچھ اہم موضوعات فرد کی محدودیت، گناہ، جرم، تنہائی مایوسی اور موت ہیں۔ روایتی فلسفہ میں یہ موضوعات کبھی بھی اہم اور نمایاں نہیں رہے۔ لیکن وجودیوں کے یہاں ان پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے ناقدین نے بھی ان رویوں پر سوالات اُٹھائے ہیں اور یہ اعتراض کیا ہے کہ ان افکار اور رویوں کی وجہ سے فلسفۂ وجودیت قنوطیت کا فلسفہ ہے۔ وجودیوں کے یہاں انسانی وجود میں المیہ عناصر کا شدت سے احساس ہے۔ مایوسی اور محرومی اس کی ذات کا حصہ ہیں۔ انسان اپنی آزادی اور صالح وجود کی تلاش میں مزاحمت کا شکار ہوتا ہے اور اکثر ناکامی سے ہم کنار ہوتا ہے۔ اس طرح وجودی مفکرین میں قنوطیت کا ایک پھیلا ہوا ہالہ ہے۔ ہر حال میں فرد کا انجام اس کی موت ہے۔ ابتدا سے ہی وجودیت کا یہ المیہ پہلو ظاہر ہے کہ انسانی وجود کس طرح ایک بے جان دنیا کی حقیقت سے بر سرِ پیکار ہے۔ اس تضاد نے ایک طرح کی قنوطیت کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اگر یہ تضاد کبھی نمایاں نہیں ہوتا تو پھر کش مکش اور گناہ و تنہائی کی اذیت نہیں ہوتی۔ فرد ہمیشہ کائنات کی وسعتوں میں ایک تناؤ میں کھڑا ہے جس کے امکانات الم ناک ہی ہوتے ہیں۔ یہ فلسفہ فرد کی آزادی اور ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے، لیکن اس کے پاس اخلاقیات کا کوئی آفاقی پہلو نہیں ملتا، جس سے ایک صالح زندگی گزارنے کا راستہ مشکل نظر آتا ہے۔ لیکن ان تمام اعتراضات کے باوجود وجودی مفکروں کے یہاں امید بھی مل جاتی ہے۔ جدید دنیا میں اپنی تمام خامیوں کے باوجود اس فلسفہ کی اہمیت اپنی جگہ بر قرار ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیسویں صدی کے عالمی ادب پر اس کے زبردست اثرات مرتب ہوئے۔ لیکن اب ہم وجودیت سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں اور مابعد جدیدیت (Post Modemism) کے دور میں آ گئے ہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

وجودیت بطورِ ایک مثبت فلسفہ:۔

وجودیت ایک ایسا رجائیت پرستانہ فلسفہ اور نظریۂ عمل بھی ہے جو انسان کے وجودی مسائل کا تعین کرتا ہے۔ یہ انسانی ذات کی انفرادیت کا فلسفہ ہے اسی لئے اسے وجود کے حوالے سے وجودیت کہا جاتا ہے۔ انسانی وجود اور جوہر کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ وجودیت کا فلسفہ انسانی زندگی کا فلسفہ ہے یہ فرد کے باطن کی کش مکش پر مبنی تحریک ہے۔ یہ انسانی زندگی کی انفرادیت کو اہمیت دیتا ہے اور امید، حوصلے، لگن اور اعتماد سے اپنے آپ کو منوانے کی راہ ہموار کرتا ہے۔ آج کا انسان مشینی زندگی سے اکتا کر منفی قوتوں کے دام میں آکر مقام بلند حاصل کرنے میں ناکام ہے۔ فلسفۂ وجودیت آج کے انسان کے لیے ایک علاج گاہ ہے۔ آج کا انسان بھی متعدد مسائل میں جکڑا ہوا ہے۔ ذہنی اور جسمانی بیماریوں کے ساتھ ساتھ مالی تشویش انسان کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ وہی صورت حال پیدا ہو گئی ہے جیسے جنگ عظیم اول اور دوئم سے بے حد انسانی معاشرہ تباہی کا شکار ہو گیا تھا۔ اسی وقت وجودیت کا آغاز ہوا تھا کیونکہ انسان مذکورہ مسائل کا شکار تھا۔ وجودی فلسفیوں نے مسائل و مشکلات میں گھرے ہوئے افراد کے علاج کے لئے کہانیاں، سٹیج شو، ناول اور متعدد مضامین لکھے جس میں وہی کردار کام کر رہے تھے جو مسائل سے گھرے ہوئے انسان کے تھے۔ وجودی فلسفیوں کے معروضی فلسفہ کے بجائے موضوعی تصورات انفرادیت اور داخلیت کی طرف توجہ دی۔ وجودیت کا تعلق انسان دوستی سے کیا ہے؟ اس کا جواب سارتر نے اپنی تصنیف (Existentialism and Humanism) میں (جس کا اردو ترجمہ قاضی جاوید نے "وجودیت اور انسان دوستی" کے نام سے کیا ہے) میں دیا ہے۔ وجودیت کا تعلق انسان دوستی سے اس معنی میں ہے کہ انسان وجود اور ذاتی اقدار کی بات کرتا ہے اور انسان کے صالح وجود کا متلاشی ہے۔ ایک انسانیت دوستی تو یہ ہے کہ ہم دنیا میں انسانی قدروں کی تلاش کرتے ہیں۔ وجودیت میں وجود خود آگاہ ہوتا ہے لہٰذا وہ خود کو ہر طرف سے دیکھنے اور پرکھنے پر توجہ دیتا ہے کیوں وہ آگہی اور عرفان کا مرکز اور آگہی اور عرفان سے متحد و متصل ہوتا ہے۔ وجودیت فرد کو سوچ و فکر کی دولت دیتا ہے جس سے فرد کو اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی کی صفت نصیب ہوتی ہے۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

> "ہر فلسفے کی طرح وجودیت کا بھی یہی مقصد ہے کہ وہ انسان کو سوچنے پر مجبور کرے، انہیں غور و فکر کا عادی بنائے تاکہ وہ عمل کی طرف رجوع کر سکیں اور اس طرح ارض خاکی پر آگ روشن رکھی جاسکے۔ اس فلسفے کا سارا زور اس بات پر ہے کہ انسان کی ذات سے

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 5, Issue 3, (July to Sep 2024)
https://doi.org/10.47205/makhz.2024(5-III)urdu-34

ماخذ تحقیقی مجلہ

بالا کوئی دوسری ذات نہیں ہے۔ میں ہی خود اپنا گلستاں میں ہی خود اپنا قفس۔ ذات کا عرفان ہی اسکے وجود کو قائم کرنے کا ذریعہ ہے"۔ (۱۱)

دو عالمی خطرناک جنگیں، فرانس کی شکست وریخت، ایشیاء مڈل ایسٹ، افریقہ، لاطینی امریکہ، کشمیر، افغانستان، شام، عراق، فلسطین وغیرہ کی مقامی جنگیں اور انسان کی بے حیثیتی کا نہ ختم ہونے ولا ڈرامہ جاری وساری ہے۔ ان انتہائی صورتوں میں وجودیت قاری اور سامع کے دل کی آواز بن گئی ہے کیونکہ وجودیت ایک لحاظ سے برائی کے خلاف فرد کا وہ مزاحمتی رویہ بھی ہے جو فرد کا ذاتی اثبات چاہتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ سید احمد دہلوی (مولوی) فرہنگ آصفیہ، جلد اول ودوم، کوثر پرنٹگ کارپوریشن، آؤٹ فال روڈ، لاہور۔ ص۔ ۶۴۶

۲۔Urdu Lughat online.Com.Pk

۳۔James Murray, Samuel Johnson "The Oxford English Dictionary Oxford"

۴۔ علی عباس جلال پوری "روایاتِ فلسفہ "منظور پرنٹنگ پریس لاہور۔ ۱۹۹۲ء ص۔ ۱۵۸

۵۔ سلطان علی شیدا "وجودیت پر ایک تنقیدی نظر "نامی پریس لکھنؤ۔ ۱۹۷۸ء ص۔ ۸

۶۔ محمد فرید "وجودیت کے فلسفیانہ عقائد و نظریات "مشمولہ "اردو ریسرچ جرنل، شمارہ نمبر ۱۳، جنوری ۲۰۱۸ء دہلی ص۔ ۶۷

۷۔ جمیل جالبی ڈاکٹر "تنقید و تجربہ "یونیورسل بکس لاہور، ۱۹۸۸ء ص۔ ۳۱۶

۸۔Paul Dukes" A History of Europe 1648__1948".Macmillan Press London 1985 .Page 175

۹۔Jean Paul Sartre"Being and Nothingness"Washington Square Press New Yark 2021 P.96

۱۰۔ ژاں پال سارتر "وجودیت اور انسان دوستی "مترجم، قاضی جاوید مشعل لاہور ص۔ ۱۷

۱۱۔ جمیل جالبی (ڈاکٹر) "تنقید و تجربہ "یونی ورسل بکس لاہور۔ ۱۹۸۸ء ص۔ ۳۲۲